6۔ اوورکوٹ

غلام عباس (1909ء۔ 1982ء)

تعارف: غلام عباس ۱۷ نومبر ۱۹۰۹ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت لاہور میں حاصل کی۔ ۱۹۲۲ء میں ساتویں جماعت کے طالب علم تھے، جب پہلی کہانی ''بکری'' کے عنوان سے لکھی۔ اور پھر انگریزی نظموں کا ترجمہ کرتے رہے۔ اس دوران میں ان کے والد وفات پا گئے۔ غلام عباس نے پڑھائی کو خیر باد کہا اور بچوں کے ایک رسالے ''پھول'' کے ایڈیٹر بن گئے۔ ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا ریڈیو سے منسلک ہو گئے۔ اردو اور ہندی رسالے ''آواز'' اور ''سارنگ'' کے مدیر رہے۔ ۱۹۴۱ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے ادیب اردو، ۱۹۴۲ء میں میٹرک، جب کہ ۱۹۴۴ء میں ایف۔ اے کیا۔ تقسیم کے بعد ریڈیو پاکستان کراچی سے منسلک ہو گئے اور رسالہ ''آہنگ'' کی ادارت سنبھالی۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۲ء تک بطور پروگرام پروڈیوسر بی۔ بی۔ سی سے وابستہ رہے۔ ۱۹۵۲ء میں پاکستان واپس آ کر ''آہنگ'' کی دوبارہ ادارت سنبھالی۔ ۲ نومبر ۱۹۸۲ء کو کراچی میں فوت ہوئے۔

تصانیف:۔ افسانوی مجموعے:۔ ''آنندی''، ''کن رس''، ''جاڑے کی چاندنی''، ''زندگی نقاب چہرے'' اور ایک ناولٹ ''گوندنی والا تکیہ'' لکھا۔ ایوب خان کی کتاب فرینڈز ناٹ ماسٹرز کا اردو ترجمہ ''جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی'' کیا۔ ان کے افسانے آنندی کو چیکوسلواکیہ کا بین الاقوامی ادبی انعام ملا۔ جاڑے کی چاندنی کو آدم جی ادبی انعام ملا۔ ''اوورکوٹ'' ان کے افسانوی مجموعے ''جاڑے کی چاندنی'' سے ماخوذ ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی:

صفحہ 28 ۔ اوورکوٹ (بڑا کوٹ جو باقی لباس کے اوپر پہنا جاتا ہے) خوش پوش (خوش لباس) مال روڈ (شاہراہ قائداعظم) چیئرنگ کراس (فیصل چوک) خراماں خراماں (ٹہلتے ٹہلتے، خوش خوش) پٹڑی (فٹ پاتھ، پیدل چلنے کا راستہ) تراش خراش (بناؤ سنگھار وضع قطع) کاج (بٹن لگانے کے لیے کپڑے کا جو حصہ قطع کیا جاتا ہے، بٹن کا گھر) شربتی رنگ (سُرخی مائل رنگ، ہلکا سرخ رنگ، گلابی رنگ) فلیٹ ہیٹ (سر کا ایک پہناوا جو یورپ میں پہنا جاتا ہے) سلک (ریشمی کپڑا) گلوبند (ایک بڑا رومال جو گلے کے گرد باندھا جاتا ہے) کڑکڑاتا جاڑا (شدید سردی) بانکپن (شوخی، تیز طراری، غرور، تکبر) سرپٹ دوڑانا (تیز دوڑانا) چونچالی (چنچل پن شوخی) رقص (ناچ، ڈانس) یک بارگی (اچانک، فوراً) لارنس گارڈن (باغ جناح) دھندلکا (ہلکا اندھیرا، مغرب کے وقت جو نیم تاریکی چھا جاتی ہے) کہرا (سخت سردی کی وجہ سے پڑنے والی دھند) آستین (بازو) اڑسنا (اٹکانا، پھنسانا)

صفحہ 29 ۔ ناخوشگوار (اچھی نہ لگنے والی، ناموزوں) تانتا بندھا ہونا (قطار، سلسلہ، رش، طویل اور مسلسل آمد و رفت) دورویہ (آنے جانے کیلئے علیحدہ علیحدہ راستہ) تفریح طبع (طبیعت کو فرحت بخشنے والی، دل کو لبھانے والی تفریح) استطاعت (ہمت، طاقت، حوصلہ) وضع (شکل و صورت) قماش (قسم، وضع) قراقلی (ایک جنگلی بلے کی کھال جو بہت قیمتی ہوتی ہے) بیش قیمت (بہت قیمتی، زیادہ قیمت والے، مہنگے) خاکی پٹی (خاکی رنگ کا ایک باریک کپڑا) بڑھیا (اچھی اور بہتر قسم کا) سلوٹ (شکن، بل) مگن (محو، مصروف، کھویا ہوا)

صفحہ 30 ۔ چوڑا چکلا (لمبائی چوڑائی) پچکارنا (پیار کرنا، چمکارنا) گشت کرنا (آوارہ گھومنا، ہوا خوری کرنا) ریستوران (سرائے، ایسا ہوٹل جس میں اشیائے خورونوش کے ساتھ اشیائے تعیش بھی ہوں) آرکسٹرا (ایک انگریزی ساز کا نام جو بیسویں صدی میں بہت مقبول ہوا) توجہ جذب کرنا (توجہ اپنی طرف مبذول کرانا) چغہ (عبا، جبہ، قبا) کلاہ (پگڑی، ٹوپی) گرم جوشی سے (تپاک سے) آداب بجا لانا (تواضع، یہاں مراد خوش آمدید کہنا) بھنویں (ابرو میں) خفیف (ہلکی، معمولی) پُراسرار (رازوں بھرا) چونچالی

(چنچل پن) تکان (تھکن) چھٹ گئی تھیں (کم ہو گئی تھیں، بکھر گئی تھیں) منعطف کرنا (توجہ دینا، توجہ مبذول کرانا) جاذبیت (دلکشی، کشش) سروکار (تعلق، نسبت)

صفحہ 31۔ میکلوڈ روڈ (ظفر علی خان روڈ) راہ گیر (مسافر) ہوا ہونا (ہوا کی رفتار سے بھاگنا یعنی تیزی سے بھاگ جانا) کچل گئی (روندی گئی، مسلی گئی) جیسے تیسے (مشکل سے، جوں توں کر کے) رمق بھر (ذرہ بھر، معمولی سی) اُڑا نہ لے جائے (چوری نہ کر لے کر بھاگ نہ جائے) خوب بن ٹھن کر (خوب تیار ہو کر، بہت بن سنور کر) جراحی (سرجری، چیر پھاڑ کے ذریعے علاج) نقاب (پردہ، چہرے پر اوڑھا جانے والا کپڑا) پٹیاں جمانا (پانی یا تیل سے بال چپکانا) بوسیدہ (پرانی) ڈھب (طریقہ، طور، انداز، طرز)

صفحہ 32۔ نکٹائی (گردن = Neck، باندھنا = Tie یعنی گردن باندھنا، گردن کے گرد باندھا جانے والا کپڑا) دھجی (کترن) کپڑا مسک گیا تھا (دباؤ وغیرہ سے کپڑا چر گیا تھا) کھونچیں لگنا (کپڑے کا اُلجھ کر پھٹ جانا) آنکھیں چار ہونا (آمنا سامنا ہونا، ایک دوسرے کی طرف دیکھنا) بلاشبہ (بے شک) دم توڑ چکا تھا (مر چکا تھا، روح کا پرواز کر جانا، بے جان ہونا) برہنگی (عریاں پن، ننگا پن) خجل (شرمندہ، نادم) آنکھیں چرانا (کترانا، شرمندہ ہونا) فہرست (چیزوں کی تفصیل)

سبق کا خلاصہ

(لاہور، ملتان بورڈ 06,07,08,09، ڈیرہ غازی خان 09,10، راولپنڈی 12,13، بہاول پور 07,09,12، گوجرانوالہ 10، بی بورڈ 13)

جنوری کی ایک شام کو ایک خوش پوش نوجوان ڈیوس روڈ عبور کر کے مال روڈ چیئرنگ کراس کی طرف فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ سر پر سبز فلیٹ ہیٹ، گلے میں سفید گلوبند اور ایک ہاتھ میں چھڑی تھی۔ جاڑے کا موسم تھا اور ٹھنڈی ہوا تیز دھات کی طرح جسم سے ٹکراتی تھی۔ لیکن یہ نوجوان اس موسمی شدت سے بے نیاز بڑے مزے سے ٹہل رہا تھا۔ اس کی چال میں ایک مخصوص بانکپن تھا۔ وہ اپنے قریب آنے والے ٹیکسی اور تانگے والوں کو "شکریہ" یا "نہیں" کے ساتھ ٹال دیتا تھا۔

وہ مال روڈ کے بارونق حصے میں پہنچا تو اس کی شوخی اور بانکپن میں اضافہ ہو گیا۔ یکا یک وہ سیٹی بجا کر رقص کی مخصوص دھن نکالنے لگا۔ پھر اچانک جوش میں آ کر باؤلر کی طرح گیند کرانے کی کوشش کی۔ لارنس گارڈن کو جانے والی روڈ اس نے اختیار نہ کی اور کوٹ کی آستین سے رومال نکال کر چہرے کو صاف کیا۔ قریب ہی گھاس پر کھیلتے ہوئے بچوں کو گھورنے لگا تو وہ شرما کر بھاگ نکلے۔ پھر وہ ایک خالی بنچ پر رونق افروز ہوا۔ مال روڈ پر سائیکلوں، موٹر سائیکلوں اور پیدل چلنے والوں کا ہجوم تھا۔ سڑک کے دونوں طرف دکانوں میں خرید و فروخت کا بازار گرم تھا۔ بعض ناچار لوگ دور ہی سے تفریح گاہوں اور دکانوں میں لگے رنگارنگ قمقموں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

نوجوان سیمنٹ کی خالی بنچ پر بیٹھا ہوا اپنے سامنے سے گزرنے والے زن و مرد کے لباس کو زیادہ غور سے دیکھ رہا تھا۔ نوجوان کا اوورکوٹ پرانا مگر بڑھیا تھا۔ سلائی نہایت عمدہ تھی۔ کریزیں نمایاں اور سلوٹ بالکل نہیں تھی۔ بنچ سے اُٹھ کر وہ دوبارہ مال روڈ پر چہل قدمی کرنے لگا۔ ایک ریستوران میں آرکسٹرا بج رہا تھا۔ اندر کی بجائے باہر زیادہ ہجوم تھا۔ آگے بڑھ کر وہ ایک بک سٹال پر رُکا۔ جہاں چند رسالوں کی ورق گردانی کی اور قالین کی دکان پر پہنچا۔ جہاں اس نے مختلف قالین دیکھے۔

سڑک پر چند لمحات چلنے کے بعد اُس نے سڑک عبور کرنے کی کوشش کی۔ مگر ابھی آدھی سڑک پار کی ہوگی کہ ایک لاری بگولے کی طرح آئی اور اُسے کچلتی ہوئی میکلوڈ روڈ کی طرف نکل گئی۔ جب اسے ہسپتال میں سٹریچر پر ڈال کر آپریشن

تھیٹر لے جایا جا رہا تھا تو اس وقت بادامی رنگ کا اوورکوٹ نوجوان کے جسم پر اور سفید سلک کا مفلر گلے کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ آپریشن روم میں سرجن اور نرسیں چہروں پر جراحی کا نقاب چڑھائے اس کی دیکھ بھال میں مصروف تھیں۔ اس کا دھڑ ٹانگوں سے تو محروم ہو گیا تھا مگر سر کی مانگ ابھی تک بالکل نمایاں تھی۔

جب اُس کا لباس اتارا گیا تو نرسیں حیران ہو کر ایک دوسرے کو گھورنے لگیں کیوں کہ مفلر کے نیچے قمیص تک نہ تھی۔ وہ مفلر اس انداز سے لپیٹا کہ سینہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اوورکوٹ کے نیچے ایک بوسیدہ اونی سویٹر تھا جس کے سوراخوں سے میلا بنیان نظر آ رہا تھا۔ جسم پر میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں کیوں کہ وہ دو مہینے سے نہایا نہیں تھا۔ بجائے پیٹی کے پتلون کو پرانی ٹائی سے باندھا ہوا تھا۔ پینٹ میں بھی گھٹنوں پر سوراخ تھے جو کہ اوورکوٹ کی وجہ سے نظر نہیں آتے تھے۔ بوٹ اور جرابیں اتارنے پر معلوم ہوا کہ دونوں جرابوں کا رنگ مختلف اور دونوں پھٹی ہوئی تھیں۔ بلاشبہ اس وقت تک وہ نوجوان فوت ہو چکا تھا اور اوورکوٹ کی مختلف جیبوں سے مندرجہ ذیل اشیا برآمد ہوئیں۔ ''ایک چھوٹا سا کنگھا، ایک رومال، ساڑھے چھ آنے، ایک بجھا ہوا آدھا سگریٹ، ایک ڈائری، گراموفون ریکارڈوں کی فہرست اور چند اشتہار''۔ بید کی چھڑی لاپتہ تھی۔

مشقی سوالات

سوال 1 افسانہ ''اوورکوٹ'' کا متن پیشِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل جملوں میں دیے گئے الفاظ میں سے درست لفظ کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کریں۔

(i) جب وہ برابر ______ چلا گیا تو رفتہ رفتہ وہ شرمانے سے لگے۔ (✓ تکے، دیکھے، گھورے)

(ii) نوجوان اپنی ______ سے خاصا فیشن ایبل معلوم ہوتا تھا۔ (✓ وضع، صورت، شکل)

(iii) نوجوان نے ______ کو سکیڑا جس کا مطلب تھا ''اد ہو تنی''۔ (✓ بھنوؤں، ہونٹوں، کندھوں)

(iv) اُس کے ہونٹوں پر ایک ______ اور پُراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ (✓ خفیف، لطیف، عجیب)

سوال 2 نیچے دیے گئے سوالات اور سبق ''اوورکوٹ'' کو پیشِ نظر رکھ کر درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں

(i) افسانہ ''اوورکوٹ'' کے مصنف کون ہیں؟

(الف) پریم چند (ب) افضل حق ✓ (ج) غلام عباس (د) ممتاز مفتی

(ii) نوجوان نے ''اوورکوٹ'' کیوں پہن رکھا تھا؟

(الف) اس کے پاس کوئی اور لباس نہ تھا (ب) کیوں کہ جاڑے کا موسم تھا

(ج) خوب صورت نظر آنے کے لیے ✓ (د) اپنی اصلیت کو چھپانے کے لیے

(iii) گلوبند اتارنے کے بعد نرسوں نے ایک دوسرے کی طرف کیوں دیکھا؟

(الف) کیوں کہ گلوبند بے حد خوبصورت تھا (ب) کیوں کہ گردن پر گلوبند کا نشان تھا

(ج) کیوں کہ گلوبند پھٹ گیا تھا ✓ (د) کیوں کہ گلوبند کے نیچے قمیص ہی نہ تھی

(iv) نوجوان کی پتلون کیسی تھی؟

(الف) بالکل عام سی اور سادہ (ب) پرانی اور جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی

(ج) نہایت شاندار ✓ (د) پھٹی پرانی اور بکسوؤں کے بغیر

(v) ''اوورکوٹ'' کا اختتام کس چیز کے ذکر پر ہُوا؟

(الف) فیلٹ ہیٹ پر ✓ (ب) بید کی چھڑی پر (ج) اوورکوٹ پر (د) گلوبند پر

(vi) افسانہ نگار نے کس اوورکوٹ کو نیلام کا کہا؟

(الف) قراقلی اوورکوٹ کو (ب) عوامی اوورکوٹ کو (ج) خاکی پٹی والے اوورکوٹ کو

✓ (د) خاکی پٹی کے پُرانے فوجی اوورکوٹ کو

(vii) سفید بلی دیکھ کر نوجوان نے کیا کہا؟

✓ (الف) پور لٹل سول (ب) نو، تھینک یو (ج) گڈ ایوننگ (د) سوری

(viii) نوجوان کو حادثہ کس سڑک پر جاتے ہوئے پیش آیا؟

(الف) ڈیوس روڈ پر (ب) لارنس روڈ پر (ج) مال روڈ پر ✓ (د) میکلوڈ روڈ پر

سوال 3 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں، جو تین سطور سے زائد نہ ہوں۔

(i) مٹر گشت کرنے والے نوجوان کا ظاہری حلیہ کیسا تھا؟

جواب نوجوان کے چمکتے ہوئے بال باریک، باریک مونچھیں، بادامی رنگ کا اوورکوٹ پہنے ہوئے خوش پوش اور فیشن ایبل معلوم ہوتا تھا۔

(ii) افسانہ ''اوورکوٹ'' میں اوورکوٹ کن خصوصیات کا حامل ہے؟

جواب نوجوان کا اوورکوٹ تھا تو خاصا پُرانا مگر اس کا کپڑا خوب بڑھیا تھا۔ کسی ماہر درزی نے سلائی کی تھی۔ بانہوں کی کریزیں بڑی نمایاں، سلوٹ نام کو نہیں تھی۔ بٹن سینگ کے بڑے بڑے چمکتے ہوئے تھے۔

(iii) نوجوان نے اوورکوٹ کے علاوہ کیا کچھ زیب تن کر رکھا تھا؟

جواب نوجوان نے اوورکوٹ کے علاوہ پُرانا اونی سویٹر، سلک کا گلوبند، پُرانی پتلون، پُرانا میلا کچیلا بنیان، پُرانے بوٹ اور پھٹی ہوئی مختلف رنگوں کی جُرابیں زیب تن کر رکھی تھیں۔

(iv) نوجوان کے اوورکوٹ کی جیب سے کون کون سی چیزیں برآمد ہوئیں؟

جواب ایک چھوٹا سا سیاہ کنگھا، ایک رومال، ساڑھے چھ آنے، ایک بجھا ہوا سگریٹ، ایک چھوٹی سی ڈائری، گراموفون ریکارڈوں کی ایک ماہانہ فہرست اور کچھ اشتہار۔

(v) افسانہ نگار نے اوورکوٹ میں کن سڑکوں کا ذکر کیا ہے؟

جواب ڈیوس روڈ۔ مال روڈ۔ لارنس روڈ۔ میکلوڈ روڈ۔

(vi) اس افسانے میں انگریزی زبان کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کے معنی لکھیں۔

جواب دیکھیے حل لغت۔

سوال 5 مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیں۔

الفاظ	متضاد	الفاظ	متضاد
شام	صبح	لمبی لمبی	چھوٹی چھوٹی
باریک باریک	موٹا موٹا	سرد	گرم
بارونق	بے رونق		

اہم عبارات کی تشریح

عبارت نمبر 1: (ڈیرہ غازی خان 2009، لاہور بورڈ 13ء)

یہ ہفتے کی شام تھی۔ بھر پور جاڑے کا زمانہ۔ سرد اور تند ہوا کسی تیز دھات کی طرح جسم پر آ کے لگتی تھی مگر اس نوجوان پر اس کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ لوگ خود کو گرم کرنے کے لیے تیز تیز قدم اٹھا رہے تھے مگر اسے اس کی ضرورت نہ تھی۔ جیسے اس کڑکڑاتے جاڑے میں اسے ٹہلنے میں بڑا مزا آ رہا ہو۔ اس کی چال ڈھال سے ایسا بانکپن ٹپکتا تھا کہ تانگے والے دور ہی سے دیکھ کر سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کی طرف لپکتے مگر وہ چھڑی کے اشارے سے ''نہیں'' کر دیتا۔ ایک خالی ٹیکسی بھی اسے دیکھ کر رکی مگر اس نے ''نو تھینک یو'' کہہ کر اسے بھی ٹال دیا۔

جیسے جیسے وہ مال کے زیادہ بارونق حصے کی طرف پہنچتا جاتا تھا اس کی چونچالی بڑھتی ہی جاتی تھی۔ وہ منھ سے سیٹی بجا کر رقص کی ایک دھن نکالنے لگا۔ ایک دفعہ جب اس کے پاس کوئی نہیں تھا تو یک بارگی کچھ ایسا جوش آیا کہ اس نے دوڑ کر جھوٹ موٹ بال دینے کی کوشش کی گویا کرکٹ کا میچ ہو رہا ہے۔

نوٹ: (جو طلبا ہر عبارت کا الگ سے سیاق و سباق نہیں لکھ سکتے، وہ سبق ہذا میں سے دی گئی کسی بھی عبارت کی تشریح سے قبل یہ سیاق و سباق تحریر کر سکتے ہیں)

تشریح طلب اقتباس اُردو کی درسی کتاب کے سبق سے لیا گیا ہے، جو مُصنف کے مشہورِ زمانہ افسانوں کے مجموعہ ''جاڑے کی چاندنی'' سے منتخب کیا گیا ہے۔ سبق میں مصنف ایک ایسے نوجوان کا نقشہ کھینچتے ہیں جو اپنے اندر کے احساس کمتری کو چھپانے کے لیے اپنا ظاہری لبادہ اوورکوٹ کی صورت میں پہنے دکھائی دیتا ہے۔ سردی کا موسم ہونے کے باوجود اپنے بانکپن اور چونچالی پن کو قائم رکھتا ہے۔ ایک تیز رفتار گاڑی اس کو کچلتے ہوئے گزر جاتی ہے۔ لوگ اس کو اٹھا کر ہسپتال پہنچاتے ہیں۔ ہسپتال میں آ کر نوجوان کی اصلیت اور غربت ظاہر ہو جاتی ہے۔ پھٹی ہوئی بنیان اور دو رنگی جرابیں اس کی اصلی حالت کو ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ تھا تو غریب مگر معاشرے میں زندہ رہنے کے لیے اس نے ظاہری لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔

تشریح طلب اقتباس سبق کے .... سے لیا گیا ہے۔ (آغاز۔ درمیان۔ اختتام)

سیاق و سباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتا ہے کہ جنوری کی ایک شام کو خوش پوش نوجوان ڈیوس روڈ سے گزر کر مال روڈ پر پہنچا، تراش خراش سے خاصا فیشن ایبل معلوم ہوتا تھا۔ سر پر سبز فیلٹ ہیٹ ایک خاص انداز میں رکھی ہوئی تھی۔ بھر پور جاڑے کا زمانہ تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کو ٹہلنے میں بڑا مزا آ رہا ہو۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ نوجوان نے چیرنگ کراس کا رخ کیا وہاں وہ ایک سیمنٹ کی خالی بنچ پر بیٹھ گیا اور سامنے سے گزرتے ہوئے لوگوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ایک پان والے سے سگریٹ لیا اور کش لگانے لگا۔ دوبارہ اس نے اپنے سفر کا آغاز کیا اور دو چار جگہ وہ رکا بھی، لیکن کوئی ایسی چیز نہ تھی جس نے اسے متاثر کیا ہو۔ صرف ایک نوجوان جوڑے نے اسے متاثر کیا اور اس نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ اور اس کی ایک لاری سے ٹکر ہوئی، وہ شدید زخمی ہو گیا تو اسے اسپتال لے جایا گیا۔ معائنے کے دوران اس کی اصلیت سامنے آ گئی کہ وہ جتنا ظاہری طور پر خوش پوش نظر آتا تھا حقیقت میں ایسا نہ تھا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف نے جنوری کے مہینے کی ایک شام کا تذکرہ کیا ہے۔ عموماً اس ماہ میں شدید کہر اور سردی ہوتی ہے۔ سرد ہوائیں چلتی ہیں۔ چناں چہ ایسی ہی ایک ہفتے کی شام تھی۔ بھر پور اور شدید سردی کا زمانہ تھا۔ سرد اور تیز ہوا کسی تیز

دھات کے آلہ کی طرح جسم پر لگتی تھی۔ یعنی شدید سردی کا موسم اور پھر ٹھنڈی ہوا تکلیف کا باعث بنی ہوئی تھی۔ مصنف نے ٹھنڈی ناخوش گوار ہوا کو تیز دھات کے آلہ سے تشبیہ دی ہے۔ جیسے تیز دھات کا آلہ جسم کے کسی بھی حصے پر لگنے سے شدید تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح ٹھٹھرا دینے والی ہوا بھی چبھن اور اذیت پہنچا رہی تھی۔ ایسے بھرپور جاڑے کے موسم کا نوجوان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے ظاہری تاثرات سے یوں لگتا تھا جیسے اسے ٹھنڈی ہوا میں ٹہلنے میں خوب مزہ آ رہا ہو۔ کنفوشس کا قول ہے کہ:

''ہم خود خوشی کا احساس کرنے کی بجائے دوسروں کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ ہم خوش ہیں''

ایسے شدید موسم میں لوگ سردی کی شدت کو کم کرنے کے لیے تیز تیز قدم اُٹھا رہے تھے تاکہ جسم میں خون کی گردش سے حدت کا احساس ہو اور سردی کا دفاع کیا جا سکے۔ لیکن نوجوان ان چیزوں کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا تھا بلکہ اُسے اتنی شدید سردی اور کڑکڑاتے جاڑے میں ٹہلنے میں مزہ آ رہا تھا اور وہ اس موسم سے محظوظ ہو رہا تھا۔

نوجوان کے ظاہری حلیے اور چال ڈھال سے ایک بانکپن، شوخی اور طراری عیاں ہوتی تھی۔ نوجوان کی ظاہری شکل و شباہت اور پُروقار شخصیت سے متاثر ہو کر تانگے والے دور سے دیکھ کر ہی اُس کی طرف لپکتے، مگر وہ چھڑی کے اشارے سے انھیں انکار کر دیتا۔ اسی طرح ایک خالی ٹیکسی والا بھی اُسے امیر آدمی سمجھتے ہوئے اُس کے قریب ٹیکسی روکتا ہے، جسے وہ ''نو تھینک یو'' کہہ کر ٹال دیتا ہے۔ نوجوان کا رویہ تانگے والے اور ٹیکسی والے دونوں سے مختلف سامنے آیا ہے۔ دراصل نوجوان کا یہ رویہ ہمارے عمومی رویوں پر دلالت کرتا ہے۔ تانگے والے سے نوجوان نے بولنا تک گوارا نہیں کیا۔ اُسے محض چھڑی کے اشارے سے انکار کر دیتا ہے۔ جب کہ کار والے کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اس طرح ہمارے معاشرتی رویوں میں بھی بگاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ ہمارا امیر آدمی کے ساتھ رویہ بڑا قابل ستائش اور مروت والا ہوتا ہے۔ جب کہ غریب آدمی کو منھ نہیں لگاتے۔ ایسے ہی نوجوان نے ہمارے معاشرتی رویوں کی نمائندگی کی ہے۔

جیسے جیسے نوجوان مال روڈ کے بارونق حصے کی طرف پہنچتا ہے تو اُس کی شوخی اور چنچل پن میں بے پناہ اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ دراصل مال روڈ کے دل کش منظر نے اُسے بے حد متاثر کیا ہے۔ مال روڈ پر اُچھلتے کودتے بچے، خوش و خرم مرد اور خاص طور پر رنگین اور خوبصورت لباس میں ملبوس عورتوں کے ناز و انداز اور رنگ برنگے لہراتے ہوئے آنچلوں نے اُس کے دل کی تاروں کو چھیڑ کر سُر پیدا کر دیے۔ جس کا اظہار نوجوان نے سیٹی بجا کر کیا اور یہ سیٹی رقص کی انگریزی دھن تھی، جو اُس کے ہونٹوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ نوجوان آج بہت خوش اور مطمئن تھا۔ انسانی فطرت ہے کہ انسان جب خوش ہوتا ہے تو اس کا اظہار اپنے اعضا سے کرتا ہے، معمولی خوش ہو تو لبوں سے مسکراہٹ کے ذریعے خوشی کا اظہار کرتا ہے، زیادہ خوش ہو تو قہقہہ لگاتا ہے۔ بہت زیادہ خوشی کے عالم میں ہو تو جسم کے مختلف اعضا کو حرکت دے کر خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ نوجوان بھی آج بہت زیادہ خوش تھا۔ جب اُس نے محسوس کیا کہ کوئی بھی شخص اُسے دیکھ نہیں رہا، تو اُس نے جوش میں آ کر اپنا بازو اس انداز سے گھمایا، گویا کرکٹ میچ میں باؤلنگ کر رہا ہے۔ خلیل جبران کا قول ہے کہ:

''اگر تم نے ہر حال میں خوش رہنے کا فن سیکھ لیا ہے تو یقین کر دو کہ زندگی کا سب سے بڑا فن سیکھ لیا ہے''۔

عبارت نمبر 2:

(ڈیرہ غازی خاں 2008ء)

نوجوان کی نظر سیمنٹ کی ایک خالی بنچ پر پڑی اور وہ اس پر آ کے بیٹھ گیا۔ اس وقت شام کے اندھیرے کے ساتھ ساتھ سردی اور بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی یہ شدت ناخوش گوار نہ تھی۔ مال روڈ پر موٹروں اور بائیسکلوں کا تانتا بندھا ہوا تو تھا ہی پٹڑی پر چلنے والوں کی بھی کثرت تھی۔ علاوہ ازیں سڑک کی دو رویہ دکانوں میں خرید و فروخت کا بازار بھی گرم تھا۔ جن کم نصیبوں کو نہ تفریح طبع کی استطاعت تھی نہ خرید و فروخت کی وہ دوری سے کھڑے کھڑے ان تفریح گاہوں اور دکانوں کی رنگا رنگ روشنیوں سے جی بہلا رہے تھے۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ ایک خوش پوش نوجوان مال روڈ سے گزر کر چیئرنگ کراس کی طرف آیا، جاڑے کا زمانہ تھا مگر ایسا لگتا تھا کہ اسے ٹہلنے میں مزہ آرہا ہو۔ اس کی چال میں ایک بانکپن تھا۔ وہ منہ سے سیٹی بجا کر رقص کی دھن نکالنے لگا اور سیدھا چیئرنگ کراس کی طرف چلتا رہا۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ نوجوان ایک سیمنٹ کی خالی بینچ پر بیٹھ گیا اور گزرتے ہوئے لوگوں کو دیکھنے لگا اس نے ایک سگریٹ لیا اور کش لگانے لگا، اس کے بعد اس نے دوبارہ سفر کا آغاز کیا۔ وہ دو چار جگہ رکا لیکن کوئی چیز ایسی نہ تھی جس نے اسے متاثر کیا ہو، سوائے ایک نوجوان جوڑے کے، اس نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اس کی ایک لاری سے ٹکر ہوگئی جس سے وہ شدید زخمی ہوگیا۔ اسے ہسپتال پہنچایا گیا اور آپریشن کے دوران اس کی اصلیت سامنے آگئی کہ وہ جتنا ظاہری طور پر خوش پوش نظر آتا تھا حقیقت میں اتنا ہی غریب تھا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں افسانہ نگار لکھتے ہیں کہ نوجوان خوبصورت اوورکوٹ میں ملبوس مال روڈ اور مختلف قابلِ دید مقامات کی مٹرگشت کرنے کے بعد چیئرنگ کراس کی طرف رواں دواں تھا۔ قریب ہی ایک گھاس کے ٹکڑے پر بچے کھیل رہے تھے۔ نوجوان بڑی دل چسپی سے ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بچے کھیل میں مصروف رہے۔ مگر جب انھوں نے دیکھا کہ نوجوان اُنھیں مسلسل دیکھ رہا ہے تو وہ شرماتے ہوئے گھاس کے میدان سے ہی چلے گئے۔ نوجوان کی نظر ایک خالی بنچ پر پڑتی ہے تو وہ اس پر بیٹھ جاتا ہے۔ نوجوان تنہا بنچ پر بیٹھا ہوا خیالات میں گم ہے۔ کیوں کہ تنہائی میں یادوں کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ ایسے میں وہ چہرے جو دل کے زیادہ قریب ہوتے ہیں، تنہائی میں محفل سجا دیتے ہیں۔

نوجوان تنہائی سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ ٹھنڈی بنچ پر بیٹھا ہوا تھا، اردگرد کے حسین مناظر اور سرسبز و شاداب گھاس کے نظارے اُس کے لیے طمانیت کا باعث بن رہے تھے۔ قدرتی مناظر انسان کے دل و دماغ کے لیے فرحت بخش ہوتے ہیں۔ شدید سردی اور شام کی خنکی کے باوجود اردگرد کے دل فریب مناظر اُس کے اعصاب کو راحت و سکون پہنچا رہے تھے۔ کسی شاعر نے بجا کہا ہے کہ:

حق تو یہ ہے کہ قدرتی منظر　　　کچھ عجب دل پر ڈالتے ہیں اثر

مصنف کہتے ہیں کہ اس وقت شام کے اندھیرے کے ساتھ ساتھ سردی کی شدت میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ لیکن نوجوان کے لیے سردی کی شدت ناخوش گوار نہ تھی، بلکہ اُسے شدید سردی اور تنہائی کے عالم میں لطف و سرور کی کیفیت محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے بعد مصنف نے مال روڈ کے منظر کی عکاسی کی ہے کہتے ہیں مال روڈ پر موٹروں اور بائیسیکلوں کی مسلسل آمد و رفت جاری تھی۔ ساتھ ہی فٹ پاتھ پر پیدل چلنے والوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ دراصل مخلوقِ خدا جو سارا دن گھروں اور دفتروں میں مصروف رہتی ہے۔ جب گھٹن محسوس ہوتی ہے تو کھلی فضا میں سانس لینے کے لیے تفریحی مقامات کا رُخ کرتی ہے۔ قدرتی مناظر اور ان مناظر کی رونق، حسین چہروں کی قربت، دل کے لیے راحت کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ اسی لیے لوگ گھروں کے حبس زدہ ماحول سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ان مقامات کا رُخ کرتے ہیں۔

چناں چہ نوجوان بھی اردگرد کے نظاروں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ اس کے سامنے سڑک کے دونوں اطراف میں موجود دکانوں پر خرید و فروخت عروج پر ہے۔ شام کے وقت لوگ گھروں کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو وہ گھر کی ضروری چیزیں خریدتے ہیں۔ اسی لیے شام کے وقت دکانوں پر کافی بھیڑ تھی۔ اور جن بدنصیبوں کے پاس چیزیں خریدنے کی ہمت نہ تھی۔ تو وہ بے

چارے دور کھڑے ہو کر تفریحی مقامات اور شوکیسوں میں سجی ہوئی چیزیں دیکھ کر دل بہلا رہے تھے۔ وہ بے چارے ان مناظر کو دور سے دیکھنے پر ہی اکتفا کر رہے تھے۔ کیوں کہ ان کی جیب انھیں خرید و فروخت اور تفریحی مشاغل میں عملی شمولیت کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔

عبارت نمبر 3: (ڈیرہ غازی خاں 2010)

نوجوان سیمنٹ کی بنچ پر بیٹھا اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے زن و مرد کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر ان کے چہروں سے کہیں زیادہ ان کے لباس پر پڑتی تھی۔ ان میں ہر وضع اور قماش کے لوگ تھے۔ بڑے بڑے تاجر، سرکاری افسر، لیڈر، فن کار، کالجوں کے طلبہ اور طالبات، نرسیں، اخباروں کے نمائندے، دفتروں کے بابو زیادہ تر لوگ اوورکوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ہر قسم کے اوورکوٹ، قراقلی کے بیش قیمت اوورکوٹ سے لے کر خاکی پٹی کے پرانے فوجی اوورکوٹ تک جنھیں نیلام میں خریدا گیا تھا۔

سیاق و سباق:

زیر تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ ایک خوش پوش نوجوان مال روڈ سے گزر کر چیئرنگ کراس کی طرف آیا، جاڑے کا زمانہ تھا، مگر ایسا لگتا تھا کہ اسے ٹہلنے میں مزہ آ رہا ہو۔ اس کی چال میں ایک بانکپن تھا۔ وہ منہ سے سیٹی بجا کر رقص کی دھن نکالنے لگا اور سیدھا چیئرنگ کراس کی طرف چلتا رہا۔

زیر تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ نوجوان ایک سیمنٹ کے بینچ پر بیٹھ گیا اور گزرتے ہوئے لوگوں کو دیکھنے لگا اس نے ایک سگریٹ لیا اور کش لگانے لگا اس کے بعد اس نے دوبارہ سفر کا آغاز کیا۔ وہ دو چار جگہ رکا لیکن کوئی چیز ایسی نہ تھی، جس نے اسے متاثر کیا ہو، سوائے ایک نوجوان جوڑے کے اور اس نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اور ایک لاری سے ٹکر ہوگئی، جس سے وہ شدید زخمی ہوگیا۔ اسے ہسپتال پہنچایا گیا اور آپریشن کے دوران اس کی اصلیت سامنے آ گئی کہ وہ جتنا ظاہری طور پر خوش پوش نظر آتا تھا حقیقت میں اتنا ہی غریب تھا۔

تشریح:

زیر تشریح عبارت میں مصنف لکھتے ہیں کہ نوجوان اسمبلی ہال کے سامنے گھاس کے قطعے پر بچھی ہوئی ایک سیمنٹ کی بنچ پر بیٹھا ہوا، اپنے سامنے سے گزرنے والے مردوں اور عورتوں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر ان کے چہروں سے کہیں زیادہ لباس پر پڑ رہی تھی۔ اس عمل سے نوجوان کی نفسیاتی کیفیت ظاہر ہوتی تھی۔ آج وہ خود بھی بہترین لباس میں ملبوس تھا، اس لیے آج اس سے خود اعتمادی نمایاں جھلک رہی تھی۔ لباس کی وجہ سے اُسے ہر جگہ اہمیت ملی۔ جس کی وجہ سے اُس کے ذہن اور دل میں لباس کی اہمیت نقش ہوگئی تھی۔ اس لیے وہ دوسروں کے چہروں کی بجائے لباس پر توجہ مرکوز کر رہا تھا۔ ٹیگور کا قول ہے:

"دل کی حقیقی زبان آنکھیں ہیں"

سامنے سے گزرنے والے مرد و زن میں ہر شکل و صورت اور ہر قسم کے پیشے سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ ان میں بڑے بڑے تاجر بھی، جو اپنا کاروبار وسیع پیمانے پر کر رہے تھے اور خوشحال اور آسودہ دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ سرکاری افسر بھی آئے ہوئے تھے۔ جن کی چال میں بھرپور اعتماد اور رعب تھا۔ دیکھنے والے فوراً پہچان لیتے تھے کہ افسر ہیں۔ اسی طرح سیاسی رہنما بھی آئے ہوئے تھے۔ جن کی چال ڈھال سے بے نیازی اور لاپروائی عیاں ہو رہی تھی۔ وہاں فن کار بھی آئے تھے جو سہمے ہوئے اور محتاط انداز میں چل رہے تھے کہ کہیں عوام انھیں تنگ نہ کریں کیوں کہ لوگ فن کاروں کو پہچانتے ہیں۔ اس کے علاوہ سیر پر آنے والوں میں طلبہ و طالبات بھی تھے جو سیر کا لطف اٹھانے کے لیے وہاں آئے تھے۔ نرسیں بھی ہسپتال کے افسردہ اور اداس ماحول سے

نکل کر سیر کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ اخبارات کے نمائندے بھی آئے ہوئے تھے کہ کہیں ناگہانی واقعہ پیش آئے تو وہ اسے اپنے اخبار کے سرورق کی زینت بنائیں اور اخبار کے مدیر سے داد وصول کریں۔ اس کے علاوہ دفتروں کے بابو بھی آئے ہوئے تھے جو کہ خرید وفروخت یا سیر کے لیے آئے تھے۔

چناں چہ وہاں جتنے بھی لوگ آئے ہوئے تھے، تقریباً سبھی نے اوورکوٹ زیب تن کیے ہوئے تھے۔ ہر قسم کے اوورکوٹ نظر آرہے تھے۔ قراقلی یعنی جنگلی بلے کی کھال سے بنا ہوا کوٹ جو خاصا مہنگا ہوتا ہے بعض لوگوں نے پہن رکھا تھا۔ چناں چہ لوگوں نے سردی سے بچنے کے لیے معمولی اوورکوٹ سے لے کر اعلیٰ پائے کے کوٹ پہن رکھے تھے۔

عبارت نمبر 4

نوجوان کا اپنا اوورکوٹ تھا تو خاصا پرانا مگر اس کا کپڑا خوب بڑھیا تھا۔ پھر وہ سلا ہوا بھی کسی ماہر درزی کا تھا۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی بہت دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ کالر خوب جما ہوا تھا۔ بانہوں کی کریزیں بڑی نمایاں، سلوٹ کہیں نام کو نہیں بٹن سینگ کے بڑے بڑے چمکتے ہوئے۔ نوجوان اس میں بہت مگن معلوم ہوتا تھا۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ ایک خوش پوش نوجوان مال روڈ سے گزر کر چیئرنگ کراس کی طرف آیا۔ جاڑے کا زمانہ تھا مگر ایسا لگتا تھا کہ منڑگشت میں نوجوان کو مزہ آرہا ہو۔ اس کی چال میں ایک بانکپن تھا۔ وہ منہ سے سیٹی بجا کر رقص کی دھن نکالنے لگا۔ اس کے بعد وہ ایک سیمنٹ کے بنچ پر جا بیٹھا اور گزرتے ہوئے لوگوں کو دیکھنے لگا۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ نوجوان نے پان والے سے سگریٹ لے کر کش لگا کر بجھا دیا۔ کوئی چیز سوائے ایک نوجوان جوڑے کے اسے متاثر نہ کر سکی اور اس نے اس جوڑے کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اور ایک لاری اسے کچلتے ہوئے گزر گئی، جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا۔ اسے ہسپتال پہنچایا گیا اور آپریشن کے دوران اس کی اصلیت سامنے آگئی کہ وہ نہایت غریب نوجوان تھا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف نے فیشن ایبل نوجوان کے اوورکوٹ کا تعارف کرایا ہے۔ کہتے ہیں کہ نوجوان کا اپنا اوورکوٹ خاصا پرانا تھا۔ مگر اس کا کپڑا بڑا قیمتی اور اچھا تھا۔ قیمتی کپڑے کی اپنی چمک دمک اور آب وتاب ہوتی ہے۔ جو دیکھنے والے کو بے حد متاثر کرتی ہے۔ معمولی کپڑا ان خوبیوں سے محروم ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے متوجہ کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ چناں چہ نوجوان کے اوورکوٹ کے قیمتی کپڑے نے اُسے جاذبِ نظر بنا دیا تھا۔ اچھے اور قیمتی کپڑے کی اپنی اہمیت (Grace) ہوتی ہے۔ اور اچھی سلائی سے کپڑے کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ نوجوان کے اوورکوٹ کی سلائی بھی کسی ماہر درزی نے کی تھی۔ ماہر درزی معمولی کپڑے کو بھی اپنی مہارت سے قیمتی بنا دیتا ہے۔ نوجوان کے اوورکوٹ کے پرانا ہونے کے باوجود بھی اس کی چمک دمک اور آب وتاب میں فرق نہیں آیا تھا۔ لگتا تھا اس کوٹ کی بہت دیکھ بھال اور حفاظت کی جاتی ہے۔

اگر چیزوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کی جائے تو وہ دیرپا ثابت ہوتی ہیں۔ اور حفاظت اور دیکھ بھال نہ کی جائے تو چیزیں جلد ہی اپنے نئے پن سے محروم ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ نوجوان کا کوٹ بھی حفاظت کی وجہ سے محفوظ تھا۔ کوٹ کا کالر بھی خوب جما ہوا ہے، کھڑا کھڑا نہیں تھا۔ بازوؤں کی کریزیں بالکل عیاں تھیں اور کریزیں بنانے کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ خوب دل چسپی اور محنت سے استری کی گئی تھی، جس کی وجہ سے کوٹ میں کہیں بھی بل اور شکن نہیں تھی۔ کوٹ پر لگے ہوئے بٹن سینگ کے بنے ہوئے

تھے۔ بٹن کوٹ کے رنگ سے مماثلت رکھتے تھے اور خوب بڑھیا اور چمک دار تھے۔ جنھوں نے کوٹ کی قدر و قیمت اور خوبصورتی میں اضافہ کردیا تھا۔ نوجوان اپنے قیمتی اور خوبصورت کوٹ میں ملبوس بے خودی اور سرخوشی کے عالم میں مخمور تھا۔

عبارت نمبر 5:

اب سات بج چکے تھے اور وہ مال کی پٹڑی پر پھر پہلے کی طرح مٹرگشت کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ ایک ریستوران میں آرکسٹرا بج رہا تھا۔ اندر سے کہیں زیادہ باہر لوگوں کا ہجوم تھا۔ ان میں زیادہ تر موٹروں کے ڈرائیور، کوچوان، پھل بیچنے والے جو اپنا مال بیچ کر خالی ٹوکرے لیے کھڑے تھے، کچھ راہ گیر جو چلتے چلتے ٹھہر گئے تھے، کچھ مزدوری پیشہ لوگ تھے اور کچھ گداگر۔ نوجوان پل بھر کے لیے رکا اور پھر آگے بڑھ گیا۔

سیاق وسباق:

زیر تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ ایک خوش پوش نوجوان مال روڈ سے گزر کر چیئرنگ کراس کی طرف آیا۔ جاڑے کا زمانہ تھا مگر ایسا لگتا تھا کہ نوجوان کو اس مٹرگشت میں مزہ آ رہا ہو۔ اس کی چال میں ایک بانکپن تھا۔ وہ سیٹی بجا کر رقص کی دھن نکالنے لگا۔ اس کے بعد وہ ایک بنچ پر جا بیٹھا اور لوگوں کو دیکھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے ایک پان والے سے سگریٹ لیا اور کش لگانے لگا۔

زیر تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتا ہے کہ نوجوان راستے میں ایک بک سٹال پر رکا۔ اس کے بعد قالین کی دکان پر رکا مگر کوئی چیز اسے متاثر نہ کرسکی۔ صرف ایک نوجوان جوڑے نے اسے متاثر کیا اور اس نے ان کا پیچھا شروع کردیا، ایک لاری اسے کچلتے ہوئے گزر گئی۔ شدید زخمی ہونے کی وجہ سے اسے ہسپتال پہنچایا گیا۔ آپریشن کے دوران اس کی اصلیت سامنے آ گئی کہ وہ بے حد غریب نوجوان تھا۔

تشریح:

زیر تشریح عبارت میں مصنف ایک خوش پوش نوجوان کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ وہ جنوری کی ایک شام کو خوبصورت اوورکوٹ پہن کر سیر کو نکلا تھا۔ شدید جاڑے کے موسم میں اُسے ٹہلنے میں لطف آ رہا تھا۔ تفریحی مقامات کا نظارہ کرتے ہوئے اور مختلف جگہوں پر رک کر مختلف اشیاء کا جائزہ لیتے ہوئے اسے کافی تاخیر ہوگئی تھی۔ اس وقت رات کے سات بج چکے تھے۔ اور وہ مال روڈ کے فٹ پاتھ پر پھر پہلے کی طرح مٹرگشت کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اچانک وہ ایک ریستوران کی طرف متوجہ ہوا جہاں ساز بج رہا تھا۔ متذکرہ جملے میں ریستوران اور آرکسٹرا کا ذکر ہوا ہے۔ یہ دونوں چیزیں برصغیر میں انگلستان سے آئیں۔

مزید برآں برصغیر میں کلاسیکی موسیقی معروف تھی، اس کی جگہ مغربی موسیقی کو رواج دیا گیا۔ بعض عاقبت نااندیش کا قول ہے کہ موسیقی روح کی غذا ہوتی ہے، تو یہ سراسر غلط ہے۔ موسیقی کافر کی روح کی غذا تو ہوسکتی ہے مسلمان کی نہیں۔ مسلمان کی روح کی غذا الہامی اور روحانی چیزیں ہیں۔ مثلاً قرآن کی تلاوت، نماز، اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کا ذکر مبارک اور مسنون اذکار۔ حضرت علیؓ سے حدیث مروی ہے:

انما بعثت بکسر المزامیر•

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "سازوں کو توڑنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔"

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ بہت سے لوگ موسیقی سے محظوظ ہونے کے لیے جمع تھے۔ کچھ لوگ تو ریستوران کے اندر بیٹھ کر موسیقی سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ان سے بھی زیادہ ریستوران سے باہر کھڑے ہوئے لوگ موسیقی سے محظوظ ہو رہے

تھے۔ ریستوران کے اندر امیرانہ ٹھاٹھ باٹ رکھنے والے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور خوب دادِ عیش دے رہے تھے۔ جب کہ ریستوران سے باہر عام لوگ تھے جن میں ڈرائیور، کوچوان، پھل بیچنے والے، کچھ مسافر، مزدور طبقہ اور گداگر جو کہ امیرانہ شان وشوکت نہیں رکھتے تھے۔ وہ ریستوران سے باہر کھڑے ہو کر موسیقی سننے میں مگن تھے۔

ریستوران سے باہر کے لوگ خاموش اور مہذب انداز میں موسیقی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جب کہ ریستوران میں بیٹھے شور غل کر رہے تھے۔ نوجوان تھوڑی دیر کے لیے موسیقی سننے کی طرف متوجہ ہوا پھر چل پڑا۔ کیوں کہ نوجوان کا ظاہری ٹھاٹھ باٹھ امیر طبقہ کی نمائندگی کر رہا تھا، جب کہ اُس کے داخلی حالات غریب طبقہ سے ملتے تھے۔ ریستوران کے اندر بیٹھ کر موسیقی سننے کی اُس کی جیب اجازت نہیں دے رہی تھی۔ جب کہ غریب طبقہ میں کھڑے ہو کر موسیقی سننے کی اجازت اُس کا لباس نہیں دے رہا تھا۔ چناں چہ اسی کشمکش میں کہ اُس کا تعلق باہر والوں (غریبوں) سے ہے یا اندر والوں (امیروں) سے، فیصلہ نہیں کر پاتا۔ اسی کشمکش میں وہ وہاں سے آگے بڑھ جاتا ہے۔

عبارت نمبر 6:

راستے میں ایک چھوٹا سا بک سٹال پڑا۔ نوجوان یہاں بھی رکا۔ کئی تازہ رسالوں کے ورق الٹے۔ رسالہ جہاں سے اٹھاتا بڑی احتیاط سے وہیں رکھ دیتا اور آگے بڑھا تو قالینوں کی ایک دکان نے اس کی توجہ کو جذب کیا۔ مالک دکان نے، جو ایک لمبا سا چغہ پہنے اور سر پر کلاہ رکھے تھا، گرم جوشی سے اس کی آؤ بھگت کی۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ ایک خوش پوش نوجوان مال روڈ سے گزر کر چیئرنگ کراس کی طرف آیا۔ جاڑے کا زمانہ تھا مگر ایسا لگتا تھا کہ نوجوان کو اس مٹر گشت میں مزہ آ رہا ہو۔ اس کی چال میں ایک بانکپن تھا۔ وہ سیٹی بجا کر رقص کی دھن نکالنے لگا۔ پھر وہ ایک بنچ پر جا بیٹھا اور لوگوں کو دیکھنے لگا۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ نوجوان کے حادثے کے فوراً بعد بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور اسے ہسپتال پہنچا دیا گیا آپریشن کے دوران اس کی اصلیت سامنے آ گئی کہ وہ بے چارا بے حد غریب تھا۔ اس کی جیب سے چھوٹا سیاہ کنگھا، ایک رومال، ساڑھے چھ آنے، بجھا ہوا آدھا سگریٹ، ایک چھوٹی ڈائری، گراموفون ریکارڈز کی فہرست اور کچھ اشتہار ملے۔ افسوس کہ اس کی بید کی چھڑی حادثے میں کہیں کھو گئی تھی جو اس فہرست میں شامل نہ تھی۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف نے ایک خوش لباس نوجوان کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ جنوری کی ایک سرد شام کو خوبصورت اور دیدہ زیب اوورکوٹ پہن کر سیر پر نکلا تھا۔ شدید جاڑے کے موسم میں اُسے ٹہلنے میں خوب مزہ آ رہا تھا۔ تفریحی مقامات کا نظارا کرتے ہوئے اور مختلف جگہوں پر رُک کر مختلف اشیا کا جائزہ لیتے ہوئے اُسے کافی دیر ہو گئی تھی۔ اس وقت رات کے سات بج چکے تھے اور وہ مال روڈ کے فٹ پاتھ پر پھر پہلے کی طرح مٹر گشت کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اچانک وہ ایک ریستوران کی طرف متوجہ ہوا جہاں انگریزی ساز بج رہا تھا۔ یہاں چند ساعتیں گزار کر نوجوان آگے بڑھا، تو راستے میں ایک چھوٹا سا بک سٹال تھا۔ نوجوان یہاں رُکا اور کئی تازہ رسالوں کی ورق گردانی کی اور رسالوں کو اُلٹ پلٹ کر جائزہ لیتا تھا۔ پھر بڑے اہتمام سے وہیں رکھ دیتا۔ نوجوان نے بک سٹال پر بڑے مہذب اور تہذیب یافتہ ہونے کا ثبوت دیا۔ نوجوان رسالہ جس جگہ سے اُٹھاتا اس کے اس عمل سے بک سٹال کا مالک بڑا متاثر ہوا۔

نوجوان جب آگے بڑھا تو ایک قالین کی دُکان کی خوب صورتی اور دل کشی نے اس کو بے حد متاثر کیا اور وہ قالین کی دکان کی طرف گیا تو دکان کے مالک نے خوش آمدید کہا۔ دکان کے مالک نے ایک لمبا سا عبا پہنا ہوا تھا سر پر پگڑی تھی، گرم جوشی اور تپاک

سے اس کو خوش آمدید کہا اور اس کی خاطر مدارات کی۔ برصغیر میں انگریزوں کے آنے سے قبل یہاں کا مسلم معاشرہ عرب کے مسلم معاشرہ سے متاثر تھا۔ اس لیے مسلمان بھی لباس، شکل وصورت کا خاص خیال رکھتے تھے اور ننگے سر پھرنا انتہائی معیوب تصور کیا جاتا تھا۔

اہل مغرب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے مسنون طریقوں کے ازلی دشمن ہیں۔ اس لیے انھوں نے آپ ﷺ کا لباس، ٹوپی اور پگڑی دفتروں کے باہر بیٹھے ہوئے چوکیداروں اور ہوٹلوں اور ریستوران کے بیروں کو پہنا دیے، تا کہ مسلمان اور ان کی آئندہ نسل ان سنتوں سے نفرت کریں اور یہ سمجھیں کہ یہ سنتیں نہیں بلکہ چوکیداروں، دربانوں اور بیروں کے استعمال کی چیزیں ہیں۔

دکان دار نوجوان کو لباس کی وجہ سے بڑی اہمیت دیتا ہے اور جھک کر سلام کرتا ہے، قالین دکھاتا ہے۔ نوجوان قیمت سن کر بے زاری کا اظہار کرتا ہے۔ تو دکان دار کہتا ہے کہ آپ قالین پسند کرلیں ہم جتنی رعایت کر سکتے ہیں کر دیں گے۔ تو نوجوان نے کہا کہ شکریہ لیکن اس وقت تو میں صرف ایک نظر دیکھنے آیا ہوں۔ دکان دار بڑے خوشامدانہ لہجے میں کہتا ہے کہ شوق سے دیکھیے۔ آپ ہی کی دکان ہے۔

اگر نوجوان نے خوب صورت لباس زیب تن نہ کیا ہوتا، تو اُسے ہر جگہ سے دھتکارا جاتا اور اُس کا کوئی بھی احترام نہ کرتا۔ حالاں کہ نوجوان نے قالین کی دکان سے کچھ بھی نہیں خریدا۔ اگر اس کا لباس ڈھنگ کا نہ ہوتا تو دکان کا مالک اُسے اندر ہرگز نہ گھسنے دیتا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگ دوسروں کے لباس، ظاہری شکل وصورت سے متاثر ہوتے ہیں۔ دوسری طرف لوگ اپنی مفلسی اور خستہ حالی کو چھپانے کے لیے اور اپنے آپ کو امیروں کا ہم پلہ ظاہر کرنے کے لیے اُن جیسا انداز اپنانے اور لباس پہن کر دوسروں کو دھوکہ اور فریب دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ہوس پرست انھیں احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جب کہ مفلسوں اور غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہر کوئی لباس اور ظاہری شکل وصورت پر روپیا، وقت اور اپنی توانائیوں کو صرف کر رہا ہے اور اعمال سے کوسوں دور ہو گیا ہے۔

عبارت نمبر 7 (گوجرانوالہ بورڈ 2010)

نوجوان نے شام سے اب تک اپنی مٹرگشت کے دوران میں جتنی انسانی شکلیں دیکھی تھیں ان میں سے کسی نے بھی اس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف نہیں کیا تھا۔ فی الحقیقت ان میں کوئی جاذبیت تھی ہی نہیں یا پھر وہ اپنے حال میں ایسا مست تھا کہ کسی دوسرے سے اسے سروکار ہی نہ تھا مگر ابھی اس نے آدھی ہی سڑک پار کی ہوگی کہ اینٹوں سے بھری ہوئی ایک لاری پیچھے سے بگولے کی طرح آئی اور اسے روندتی ہوئی میکلوڈ روڈ کی طرف نکل گئی۔ لاری کے ڈرائیور نے نوجوان کی چیخ سن کر پل بھر کے لیے گاڑی کی رفتار کم کی۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی لاری کی لپیٹ میں آ گیا اور وہ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لاری کو لے بھاگا۔ دو تین راہ گیر جو اس حادثے کو دیکھ رہے تھے شور مچانے لگے ''نمبر دیکھو، نمبر دیکھو'' مگر لاری ہوا ہو چکی تھی۔

سیاق وسباق:

زیر تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ ایک خوش پوش نوجوان مال روڈ سے گزر کر چیئرنگ کراس کی طرف آیا۔ جاڑے کا زمانہ تھا مگر ایسا لگتا تھا کہ نوجوان کو اس مٹرگشت میں مزہ آ رہا ہو۔ اس کی چال میں ایک بانکپن تھا۔ وہ سیٹی بجا کر رقص کی دھن نکالنے لگا۔ پھر وہ ایک بنچ پر جا بیٹھا اور لوگوں کو دیکھنے لگا۔ نوجوان کو ایک نوجوان جوڑے نے متاثر کیا اور وہ ان کے پیچھے چلنے لگا کہ ایک لاری اسے کچلتے ہوئے گزر گئی۔

زیر تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ آپریشن تھیٹر میں معائنے سے پتا چلا کہ نوجوان نے قمیض ہی نہیں پہن رکھی تھی۔ ایک میلا بڑے سوراخوں والا سویٹر تھا۔ جس کے نیچے اس سے بھی میلا بنیان تھا۔ جرابیں دونوں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ میل کی خوب تہیں جمی تھیں۔ پتلون کو پیٹی کی بجائے ایک دھجی سے کس کر باندھا ہوا تھا۔ غرض کہ نوجوان بڑا ہی غریب اور خستہ حال تھا۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف لکھتے ہیں کہ نوجوان شام سے رات گئے تک مال روڈ اور اس سے ملحقہ سڑکوں پر ہواخوری کرتا رہا۔ اتنا چلنے پھرنے کے باوجود بھی اس کی طبیعت کی چونچالی اور چنچل پن میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔ نہ تھکاوٹ محسوس ہوئی تھی اور نہ ہی اکتاہٹ۔ اب نوجوان ہائی کورٹ کی عمارتوں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ یہاں فٹ پاتھ پر چلنے والوں کی ٹولیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اس علاقے میں اسے نئے چہرے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ چناں چہ نوجوان نے شام سے اب تک اپنی ہواخوری اور مٹر گشت کے دوران میں جتنی بھی انسانی شکلیں دیکھی تھیں، ان میں سے کسی بھی چہرے نے اُسے متاثر نہ کیا۔ کوئی بھی چہرہ اس کے دل کے تاروں میں ارتعاش پیدا نہ کر سکا۔ کوئی بھی شکل جو اُس کے ہوش اُڑا دے دکھائی نہ دی۔ کوئی بھی چہرہ ایسا نظر نہ آیا جسے وہ اپنے دل کی سلطنت حوالے کرتا اور اُسے مرکزِ نگاہ بناتا۔

افسانہ نگار نوجوان کی اس کیفیت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یا کسی میں کوئی جاذبیت اور کشش ہی نہیں تھی یا پھر نوجوان اپنے حال میں ایسا مست اور اپنی ذات میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ اُسے اپنے سوا کسی دوسرے سے تعلق اور واسطہ ہی نہیں تھا۔ اچانک اُس کی نظر سامنے سے گزرنے والے جوڑے پر پڑی، اُس کے ذہن اور دل کی دنیا مہک اُٹھی۔ ایک لڑکا اور لڑکی بے خودی اور سرمستی کے عالم میں اپنی منزل کی طرف ناز و انداز سے رواں دواں تھے۔ ایسا حسین جوڑا اُس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ صرف رومانوی کہانیوں اور افسانوں میں پڑھا تھا۔ اس جوڑے میں اتنی دل کشی، دل ربائی اور جاذبیت تھی کہ نوجوان دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُن کے پیچھے چل دیا۔ اس نوجوان کا جی چاہا کہ وہ اُن کے چہرے قریب سے دیکھے۔ اُن کی پیار بھرے جذبوں سے معمور گفتگو سنے۔ یہ خواہشیں اور تمنائیں دل میں لیے وہ اُن کا پیچھا کرنے لگا کہ اُن کی پیار بھری باتوں کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔ اس احتیاط سے نوجوان ان کا پیچھا کر رہا تھا کہ شک نہ ہو۔ وہ نوجوان جوڑے کا پیچھا کرتے ہوئے سڑک عبور کرنے کے لیے درمیان میں ہی پہنچا تھا کہ اینٹوں سے بھرا ہوا ٹرک بڑی تیزی سے اُس کے اوپر سے گزرتے ہوئے میکلوڈ روڈ کی طرف نکل گیا۔ کیوں کہ وہ جوڑا بھی اسی طرف جا رہا تھا تو نوجوان اُن کے پیچھے پیچھے جانا چاہتا تھا۔ جہاں نوجوان کو المناک حادثہ پیش آیا۔ بطلیموس نے بجا کہا کہ:

"حیاتِ انسانی اس شمع کی مانند ہے جو ہوا میں رکھی ہوئی ہے"

ٹرک کے ڈرائیور نے نوجوان کی چیخ سن کر پل بھر کے لیے ٹرک کی رفتار کم کی۔ اُسے سمجھ آ گئی تھی کہ کوئی اس کی گاڑی کی لپیٹ میں آ گیا ہے۔ ڈرائیور نے بے حسی کا ثبوت دیتے ہوئے رات کے اندھیرے سے فائدہ اُٹھایا اور گاڑی کو لے بھاگا۔ انسانی ہمدردی کا تقاضا تو یہ تھا کہ ڈرائیور نوجوان کو ہسپتال پہنچاتا، تاکہ وقت پر اس کا علاج ہوتا شاید قیمتی جان ضائع ہونے سے بچ جاتی۔ وہ قانونی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے ٹرک کو لے اُڑا۔ اور خدا خوفی نہیں کی۔ جب انسان میں خُدا خوفی ہو تو وہ تنہائی میں بھی ڈرتا ہے، گناہ نہیں کرتا اور جب خدا خوفی نہ ہو تو لوگوں سے ڈرتا ہے اور رات کے اندھیروں میں گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ ڈرائیور کا رویہ ہمارے پورے معاشرے کے رویوں کی نمائندگی کر رہا ہے۔ حادثہ کی جگہ پر دو تین مسافر بھی موجود تھے۔ جو اس حادثے کے عینی شاہد تھے۔ وہ شور مچانے لگے کہ گاڑی کا نمبر دیکھو، گاڑی کا نمبر دیکھو مگر گاڑی غائب ہو چکی تھی۔ اتنے میں کئی اور لوگ بھی جمع ہو گئے اور نوجوان کو کار میں ڈال کر ہسپتال لے گئے۔ یہاں ہمارے معاشرے کا ایک اور روپ سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ زندہ انسانوں کے ساتھ ہمارا رویہ اور ہوتا ہے۔ مرنے والے کے ساتھ رویہ مختلف ہوتا ہے۔ کسی غریب اور حالات کے مارے ہوئے انسان کے دکھ درد اور غم و آلام سے غفلت برتتے ہیں۔ بقول شاعر:

زندہ رہے تو جینے کی سزا دیتی ہے دنیا
مرجائے تو بڑھ جاتی ہے انسان کی قیمت

عبارت نمبر 8:

(سرگودھا بورڈ 12ء)

اب اس کے کپڑے اتارے جا رہے تھے۔ سب سے پہلے سفید سلک کا گلوبند اس کے گلے سے اتارا گیا۔ اچانک

نرس شہناز اور نرس گل نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتی تھیں۔ چہرے جو دلی کیفیات کا آئینہ ہوتے ہیں۔ جراحی کے نقاب تلے چھپے ہوئے تھے اور زبانیں بند۔ نوجوان کے گلوبند کے نیچے نکٹائی اور کالر تو کیا، سرے سے قمیص ہی نہیں تھی۔ اوور کوٹ اتارا گیا تو نیچے سے ایک بوسیدہ اونی سویٹر نکلا جس میں جابجا بڑے بڑے سوراخ تھے۔ ان سوراخوں سے سویٹر سے بھی زیادہ بوسیدہ اور میلا کچیلا ایک بنیان نظر آ رہا تھا۔ نوجوان سلک کے گلوبند کو کچھ اس ڈھب سے گلے پر لپیٹے رکھتا تھا کہ اس کا سارا سینہ چھپا رہتا تھا۔ اس کے جسم پر میل کی تہیں بھی خوب چڑھی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کم سے کم پچھلے دو مہینے سے نہیں نہایا۔ البتہ گردن خوب صاف تھی اور اس پر ہلکا ہلکا پوڈر لگا ہوا تھا۔

سیاق وسباق:

زیرِ تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتے ہیں کہ جنوری کی شام ایک خوش پوش نوجوان ڈیوس روڈ سے گزر کر چیئرنگ کراس کی طرف آیا۔ جاڑے کا زمانہ تھا مگر ایسا لگتا تھا کہ اسے مٹرگشت میں مزہ آ رہا ہو۔ وہ ایک بنچ پر جا بیٹھا اور لوگوں کو دیکھنے لگا۔ نوجوان کو ایک جوڑے نے متاثر کیا اور وہ ان کا پیچھا کرنے لگا کہ ایک لاری اسے کچلتے ہوئے گزر گئی۔ شدید زخمی ہونے کے باعث اسے ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ حادثے کے دوران اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ چکی تھیں۔

زیرِ تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بوٹ تو پرانے تھے مگر خوب چمک رہے تھے۔ بلاشبہ وہ اس وقت دم توڑ چکا تھا۔ اس کی جیب سے ایک چھوٹا کنگھا، ایک ڈائری، آدھا بجھا ہوا سگریٹ، ساڑھے چھے آنے تھے۔ بید کی چھڑی حادثے میں کہیں کھو گئی تھی، جو اس فہرست میں شامل نہ تھی۔

تشریح:

زیرِ تشریح عبارت میں مصنف کہتے ہیں کہ خوش پوش نوجوان کے ساتھ حادثہ پیش آنے کے بعد اُسے ہسپتال لایا گیا۔ جہاں آپریشن تھیٹر میں ایک اسسٹنٹ سرجن اور دو نرسیں جنھوں نے چہروں پر جراحی کے نقاب چڑھائے ہوئے آپریشن کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ سب سے پہلے نوجوان کے کپڑے اتارے جا رہے تھے۔ پہلے پہل نوجوان کے گلے کے گرد لپٹا ہوا سفید ریشم کا گلوبند اتارا گیا۔ دونوں نرسوں نے حیرت اور استعجاب میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور وہ کر بھی کیا سکتی تھیں، چہرے، دلی جذبات واحساسات کے غماض ہوتے ہیں۔ دل خوش ہو تو چہرہ بشاش ہوتا ہے، دل اُداس ہو تو چہرہ سے بھی اداسی ٹپک رہی ہوتی ہے۔ چناں چہ دونوں نرسوں کے چہروں پر جراحی کے نقاب تھے اور اُن کی زبانیں بھی حیرت سے قوت گویائی سے محروم ہوئی تھیں۔ دل کی کیفیات اور جذبات واحساسات کا تبادلہ انھوں نے آنکھوں کے ذریعے کیا۔ رابندر ناتھ ٹیگور کا قول ہے کہ ''دل کی حقیقی زبان آنکھیں ہوتی ہیں'' اور بقول شاعر:

پہرے ہونٹوں پہ بٹھانے والے ... بات آنکھوں سے بھی کی جاتی ہے

مصنف مزید بتاتے ہیں کہ جب نوجوان کے گلے کے گرد لپٹا ہوا ریشمی گلوبند اتارا گیا تو اُس کے نیچے نکٹائی اور کالر غائب تھے اور نکٹائی اور کالر تو تب ہی ہوتے جب قمیص ہوتی۔ قمیص ہی نہیں پہنی تھی۔ اس کے بعد اوورکوٹ اتارنے کی باری آئی۔ جب کوٹ اتارا گیا تو اس کے نیچے سے بڑا بوسیدہ اور پرانا سویٹر نکلا جس میں جگہ جگہ بڑے بڑے سوراخ تھے۔ سویٹر کے بڑے بڑے سوراخوں میں سے سویٹر سے بھی زیادہ پُرانا اور بوسیدہ، میلا کچیلا بنیان دکھائی دے رہا تھا۔ نوجوان ریشمی گلوبند کو اس مہارت سے گلے کے گرد لپیٹے رکھتا تھا کہ اس کا سارا سینہ چھپا رہتا تھا۔ اس کے جسم پر میل کچیل کی تہیں خوب چڑھی ہوئی تھیں۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ نوجوان پچھلے دو ماہ سے نہیں نہایا۔ اور نوجوان نے یہ تاثر دینے کے لیے کہ وہ صفائی ستھرائی کا خاص خیال کرتا ہے۔ گردن خوب صاف کر رکھی تھی اور گردن پر ہلکا ہلکا پوڈر لگا رکھا تھا۔

عبارت نمبر 9:

(بہاول پور بورڈ 2008، گوجرانوالہ 2007، راولپنڈی 2006)

بلاشبہ اس وقت تک وہ دم توڑ چکا تھا۔ اس کا جسم سنگ مرمر کی میز پر بے جان پڑا تھا۔ اس کا چہرہ جو پہلے چھت کی

سمت تھا کپڑے اتارنے میں دیوار کی طرف مڑ گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ جسم اور اس کے ساتھ روح کی اس برہنگی نے اسے خجل کر دیا ہے اور وہ اپنے ہم جنسوں سے آنکھیں چُرا رہا ہے۔

سیاق وسباق:

زیر تشریح اقتباس سے پہلے مصنف بتاتا ہے کہ جنوری کی ایک شام کو خوش پوش نوجوان ڈیوس روڈ سے گزر کر چیئرنگ کراس کی طرف آیا۔ جاڑے کا زمانہ تھا مگر ایسا لگتا تھا کہ اسے مٹر گشت میں مزہ آ رہا ہو۔ وہ ایک بنچ پر جا بیٹھا اور لوگوں کو دیکھنے لگا۔ نوجوان کو ایک جوان جوڑے نے متاثر کیا اور وہ ان کا پیچھا کرنے لگا کہ ایک لاری اسے کچلتے ہوئے گزر گئی۔ شدید زخمی ہونے کے باعث اسے ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ آپریشن کے دوران اس کی اصلیت سامنے آئی کہ وہ نہایت غریب آدمی تھا۔

زیر تشریح اقتباس کے بعد مصنف بتاتے ہیں کہ بوٹ تو پرانے تھے مگر خوب چمک رہے تھے۔ بلاشبہ وہ اس وقت دم توڑ چکا تھا۔ اس کی جیب سے ایک چھوٹا کنگھا، ایک ڈائری، ایک بجھا ہوا سگریٹ، ساڑھے چھ آنے تھے۔ بید کی چھڑی افسوس کہ حادثے میں کہیں کھو گئی تھی۔ جو اس فہرست میں شامل نہ تھی۔

تشریح:

مصنف زیر تشریح عبارت میں بتاتے ہیں کہ ایک خوش پوش نوجوان کے ساتھ حادثہ پیش آنے کے بعد اُسے ہسپتال لایا گیا۔ جہاں آپریشن تھیٹر میں ڈاکٹر اور دو نرسیں جنھوں نے چہروں پر جراحی کے نقاب چڑھائے ہوئے تھے۔ آپریشن کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ سب سے پہلے نوجوان کے کپڑے اُتارے جا رہے تھے۔ نوجوان کی گردن کے گرد لپٹا ہوا سفید رنگ کا ریشمی گلوبند اتارا گیا، دونوں نے حیرت اور استعجاب سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ جب نوجوان کی گردن کے گرد لپٹا ہوا ریشمی گلوبند اُتارا گیا تو اُس کے نیچے نکٹائی اور کالر غائب تھے۔ نکٹائی اور کالر تو تبھی ہوتے جب قمیص ہوتی۔ سرے سے قمیص ہی نہیں تھی۔

اس کے بعد اوور کوٹ اُتارنے کی باری آئی۔ جب کوٹ اُتارا گیا تو اس کے نیچے سے بڑا بوسیدہ اور پرانا سویٹر جس میں جگہ جگہ بڑے بڑے سوراخ تھے۔ سویٹر کے نیچے بڑے بڑے سوراخوں میں سے سویٹر سے بھی زیادہ پرانا اور بوسیدہ، میلا کچیلا بنیان دکھائی دے رہا تھا۔ سویٹر اور بنیان کے بعد پتلون کی باری آئی، پتلون کو پیٹی کے بجائے ایک پُرانی کترن سے باندھا گیا تھا۔ بٹن اور بکسوئے بھی غائب تھے۔ بوٹ پُرانے ہونے کے باوجود خوب چمک رہے تھے مگر ایک پاؤں کی جراب دوسرے پاؤں کی جراب سے مختلف تھی۔ پھر دونوں جرابیں پھٹی ہوئی بھی تھیں۔ اس قدر کہ ان میں سے نوجوان کی میلی میلی ایڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

نوجوان کو جب ہسپتال لایا گیا تو زندگی کے آثار باقی تھے۔ آپریشن کرنے کے لیے جب نوجوان کے کپڑے اُتارے جا رہے تھے، اسی دوران میں وہ دم توڑ گیا۔ اُس کا جسم سنگ مرمر کی میز پر بے جان پڑا تھا۔ جب اُس کے کپڑے اُتارے جا رہے تھے تو اُس کا چہرہ چھت کی طرف تھا۔ مگر کپڑے اتارنے میں دیوار کی طرف مڑ گیا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اپنی اصلیت ظاہر ہونے سے نادم اور شرمندہ ہے۔ اور کسی سے آنکھیں ملانے کے لائق نہیں۔ وہ اپنی اصلیت اور حقیقت ظاہر ہونے سے اپنے ہی ہم جنسوں سے شرمندہ ہے۔ اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جسم کے ساتھ ساتھ روح کی برہنگی سے شرمندہ ہو رہا ہے۔ دراصل نوجوان ظاہری حالت سے بہت امیر لگتا تھا، جب کہ ظاہری حالت کے برعکس انتہائی غریب تھا۔ دراصل وہ جس مصنوعی معاشرہ کا حصہ تھا اس میں غربت کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اسی لیے اُس نے معاشرہ میں قابل نفرت بننے کی بجائے قابل ستائش بننے کا ڈرامہ رچایا۔ یہ ڈرامہ اس وقت اپنے اختتام کو پہنچا جب نوجوان کے کپڑے اُتارے گئے، تو اس کی اصلیت کا بھرم کھل گیا۔ آج اُس کے جسم کے ساتھ ساتھ اُس کی رُوح بھی برہنہ ہو گئی تھی۔ اور وہ اپنے ہم جنس افراد سے آنکھیں چُرا رہا تھا۔ نوجوان کی اس کیفیت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد بھی اپنی اصلیت اور حقیقت ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ مرنے کے بعد بھی اپنے عیبوں اور خامیوں کی پردہ پوشی چاہتا ہے۔ لیکن موت تو دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے جو انسان کے اصل چہرے کو بے نقاب کر دیتی ہے۔